تدوینِ قانونِ اسلامی اور امام ابوحنیفہؒ

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

مختلف ملکوں کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً ہر جگہ ابتداء قبائلی رسم و رواج کا دور دورہ تھا، اور کسی معاملے میں رواجی نظیر رہبری کے لئے موجود نہ ہوتی تو کسی معتمد علیہ اور فرزانہ پنچ سے رجوع کیا جاتا اور اس کا فیصلہ قانون کی ترقی کا ایک بڑا ذریعہ ہوتا تھا۔ کسی بستی کے بس جانے اور شہری مملکت کے قائم ہو جانے پر قبائلی وحدتوں کا رواج جلد ہی سر برآوردہ قبیلے کے رواج میں ضم ہو جاتا ہے اور اکثر ملکوں میں رسم و رواج کسی بڑے ہیرو کی افسری کے زمانے میں تحریری صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اپنے کو حقیر سمجھنے کا جذبہ اور مرعوبیت بعد والوں کے لئے اس تحریری قانون میں جمود پیدا کر دیتے ہیں، اور جب تک کوئی انقلاب انگیز بیرونی اثرات نہ پڑیں یا خود اس تحریری قانون میں ترقی کر سکنے کے لئے اندرونی لچک نہ رہی ہو تو جلدی ہی وہ قانون از کار رفتہ ہو کر طبعی موت مر جاتا ہے۔

ایک دوسرا رجحان اکثر ممالک میں یہ رہا ہے کہ ابتداء جملہ شعبہ ہائے حیات چاہے وہ عبادات ہوں یا معاملات، یا جرائم و جنایات، مذہبیت کی ہمہ گیر گرفت میں جکڑے رہتے ہیں اور قانون دانی و عدل گستری پجاری کا اجارہ ہوتا ہے۔ مگر رفتہ رفتہ عبادات اپنے تقدس کے باعث غیر تبدل پذیر ہو جاتی ہے اور سیاست اپنے نت نئے مسائل کے باعث روز افزوں صوابدید پر منحصر ہوتی چلی جاتی ہے، اسی لئے مذہب اور سیاست میں دوری ہو جاتی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ اسلامی قانون کا آغاز شہر مکہ سے ہوا۔ متعدد کاروانی راستوں کا اہم جنکشن ہونے کی وجہ سے یہاں کی آبادی میں یک نسلی باقی نہ رہی تھی۔ اسماعیلی خاندان عراق یا فلسطین سے آئے تھے۔ خزاعہ یمن کے تھے۔ مکے والوں کے رشتہ داری کے اور کاروباری تعلقات شہر مدینہ اور شہر طائف سے بھی کافی تھے۔ قصی کا تعلق شمالی عرب کے قبیلہ قُضاعہ سے تھا۔ قُصَیّ کی کوشش اور قابلیت سے قریشی قبائل نے شہر مکہ میں سر بر آوردہ حیثیت حاصل کی اور قصی کی ہی سرداری میں ایک زیادہ منضبط شہری مملکت قائم ہوئی۔ جس

☆ میں نے امام محمد سے بڑھ کر کوئی فصیح نہیں دیکھا (امام محمد بن ادریس شافعی) ☆

میں مختلف مذہبی، سماجی اور انتظامی عہدے موروثی طور پر مختلف خاندانوں میں پائے جاتے تھے۔(۱) جہاں تک قانون کا تعلق ہے، حجاز میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت کم رہنے کے باعث اسلام سے پہلے کسی تحریری مجموعے کا پتہ نہیں چلتا، لیکن قانونِ معاہدہ اور قانونِ جرائم وغیرہ کے بہت سے رواجی احکام روایات نے محفوظ رکھے تھے۔ حتیٰ کہ اجنبیوں کے حقوق کے تحفظ اور تصادم قوانین کے نفاذ کے لئے حلف الفضول کے نام سے ایک رضا کارانہ نظام بطور تہدید و تدارک وجود میں آ گیا تھا۔ شہر مکہ میں اسی قصی کی اولاد میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغمبر اسلام کی حیثیت حاصل فرمائی۔ مکہ ''وادیِ غیر ذی زرع'' ہے۔ اس لئے یہاں کے لوگ عام طور پر تجارت پیشہ ہی تھے۔ تجارت اور کاروانی کاروبار کے سلسلے میں پیغمبر اسلام نے بھی عرب میں یمن اور عمان کا کافی طویل سفر کیا تھا اور عرب کے باہر کم از کم فلسطین جانے کا دوبارہ پتہ چلتا ہے، ایک مرتبہ آٹھ نو سالہ نو عمری میں ضد کر کے اپنے سرپرست چچا کے ساتھ اور ایک مرتبہ بطور خود پچیس سال کی عمر میں، لکھنے پڑھنے سے ناواقف امی ہونے اور یونانی، لاطینی اور سریانی زبانوں کے نہ جاننے کے باعث سوائے قانون و رواجِ تجارت کو تیز نظری سے دیکھنے کے اس کی کم توقع کی جاسکتی ہے کہ فلسطین میں اس زمانے میں کسی اور چیز سے آپ ﷺ نے دلچسپی لی ہو۔

بہر حال چالیس سال کی عمر میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شہر کے ایک جونیئر گھرانے کے ایک جونیئر رکن تھے، اپنے متعلق خدا کے پیغام رساں ہونے کا اعلان فرمایا اور قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔

آپ جہاندیدہ تھے، کئی بار شام، کئی بار یمن (حباشہ) اور کم از ایک بار علاقہ قبیلہ عبدالقیس یعنی بحرین و عمان کا سفر فرما چکے تھے، جیسا کہ مسند ابن حنبل (۴/۲۰۶) میں مذکور ہے۔ بحری سفر فرما کر ایک مرتبہ حبش جانا بھی مکتوب نبی ﷺ بنام نجاشی کے متعارفانہ انداز وغیرہ سے مستنبط ہوتا ہے۔ اگرچہ کوئی صریح تائید میں حوالہ نہیں ملتا۔ اس تجربے کا اثر (وحی پر تو نہیں لیکن) جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی صواب دید میں قانون سازی پر پڑ سکتا ہے۔

۱۔ تفصیل میں نے ایک الگ مضمون ''شہری مملکت مکہ'' میں دی ہے جو اسلامک کلچر میں ۱۹۳۸ء میں اور معارف اعظم گڑھ میں ۱۹۴۲ء میں چھپا ہے۔ دیکھئے شمارہ نمبر ۱، ۲

☆ قال الامام الشافعی رحمه الله تعالی : امن الناس علیّ فی الفقه محمد بن حسن ☆

خدا کا جو پیغام آپ کو وحی کے ذریعے سے وصول ہوتا تھا اسے آ یک ترتیب سے لکھوا دیتے۔ اس کے مجموعے نے کتاب اللہ اور قرآن کا نام حاصل کیا، چونکہ پیغمبر اسلام نے قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا تھا۔ اس لئے قوم کو ہر شعبۂ جات کے لئے اس میں رہنمائی کی گئی اور صرف ایک دنیاوی امور کے قانون ہی پر قرآن منحصر نہیں ہو گیا۔

قرآنی پیغام کی تشریح و توضیح اور اصلاح قوم کے سلسلے میں ملک کے بہت سے اچھے اور معقول قدیم رواجات کو آپ نے اپنے متبعین میں جو برقرار رہنے دیا یہ بھی قانونِ اسلام کا بہت بڑا ماخذ ہے۔ خاص کر اس لئے بھی کہ خود قرآن نے متعدد جگہ اس کا صراحت سے حکم دیا ہے کہ پیغمبر اسلام کا ہر قول و فعل اور ہر امر و نہی واجب التعمیل اور لائق تقلید ہے۔ لیکن یہ سنت نبوی ﷺ اس باقاعدہ اور مکمل طور سے تحریراً مرتب نہ ہو سکی جو قرآن کے متعلق ملحوظ رکھا گیا۔ یہ ظاہر ہے کہ سنت نبوی میں بھی صرف قانونی احکام نہیں ہیں بلکہ دیگر قسم کے امور بھی ملیں گے۔ قانونی احکام کچھ تو قرآنی اجمال کی تفصیل و تکمیل پر حاوی تھے تو کچھ نئے اور زائد احکام تھے جو قرآن کے سکوت کے وقت دیئے گئے تھے اور کچھ ملکی اچھے رسم و رواج کے مختلف اجزاء کو برقرار رکھنے پر مشتمل تھے، پیش ہونے والے مقدمات کے فیصلے، روزمرہ نظم و نسق کا تذکرہ، حکام اور افسروں کو ہدایتیں، خصوصی خطبات و اعلانات، غرض بیسیوں قسم کی چیزیں سنت میں ملتی ہیں۔ دنیا کا کوئی قانون مباح امور کی فہرست مکمل نہیں کر سکتا، اچھا اور معقول نظامِ قانون اپنی چند خصوصیات کو واجب اور ضروری قرار دے کر اور ممنوعات کی فہرست کو مکمل کر کے باقی تمام چیزوں کو روا(۱) قرار دے دیتا ہے اور جن چیزوں میں بیک وقت متعدد حقوق قائم ہوتے ہیں ان کا تناسب بیان کر دیتا ہے۔ "اُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذَالِکُمْ" وغیرہ قرآنی آیتوں سے قانونِ اسلام میں بھی یہی اصول ملحوظ رہا ہونا ہویدا ہوتا ہے۔ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَیْہِ" ۔ "لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا" وغیرہ سے قانون میں لچک اور حالات کا ساتھ دینے کی قابلیت، واجبات و ممنوعات کے متعلق بھی پیدا کر دی گئی۔

۱۔ "روا" "مباح" کے معنی یہ نہیں کہ اسے ضرور کیا جائے بلکہ وہ ہر شخص کی صوابدید اس کے ذوقِ سلیم اس کی ضرورت اور اس کے خصوصی حالات پر چھوڑ دیا جاتا ہے اور نہ صرف دو آدمیوں کے بلکہ ایک ہی آدمی کے دو مختلف اوقات کے طرز عمل میں ان کے متعلق اختلاف ہو سکتا ہے۔

امام محمد بن ادریس شافعی فرماتے ہیں : فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان امام محمد بن حسن کا ہے

اسلام میں ترقی کا اصول

لیکن بڑا اہم سوال آئندہ کی ترقی کا ہے کہ مستقبل میں پیدا ہونے والے نامعلوم اور ان گنت نئے مسائل سے دوچار ہونے پر کیا کیا جائے؟ اس بارے میں امام ترمذیؒ وغیرہ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث متعدد ماخذوں سے روایت کی ہے کہ جب آپ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو سرکاری افسر بنا کر روانہ کیا، تو رخصتی باریابی میں حسب ذیل گفتگو فرمائی:

"اگر کوئی مقدمہ پیش ہو تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟"

جیسا کہ کتاب اللہ میں حکم ہے۔

اگر کتاب اللہ میں صراحت نہ ہو تو؟

پھر رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق۔

اگر سنت رسول ﷺ بھی نہ ملے تو؟

تو پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔

تعریف اس خدا کو سزاوار ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کے فرستادے کو اس چیز کی توفیق دی جسے اس کا رسول پسند کرتا ہے۔

یہ مکالمہ نہ تو کوئی کاغذی نظریہ بنا رہا اور نہ ہی کوئی انفرادی واقعہ تھا۔ اہم معاملات میں استصواب، نگرانی اور تصحیح کی ناگزیر ضرورتوں کے ساتھ ساتھ وسیع صوابدید کا حق خود جناب رسالت مآب کی طرف سے افسرانِ قانون کے لئے تسلیم کر لیا جانا، اور ایک دوسرے موقع پر انتم اعلم بامور دنیاکم (تم لوگ اپنے دنیاوی امور کو زیادہ بہتر جانتے ہو) ارشاد فرما کر اپنے خالص جمالیاتی حکم کو منسوخ کر دینا ایک انقلابی لیکن فیصلہ کن نظیر تھی جس کے باعث اسلامی قانون کے مستقبل نے اپنے متعلق مکمل اطمینان حاصل کر لیا۔

عہد نبوی مسلمانوں کا دور قانون سازی تھا۔ اس کے بعد تعبیر و توسیع کا سلسلہ تو جاری رہا، لیکن خالص قانونی احکام کا مجموعہ تیار کرنے کی کوئی سرکاری کوشش نہ ہوئی۔ اگرچہ خلفاء کی سرپرستی بلکہ خود ان کی خواہش پر بعض خانگی مجموعے تیار ہوئے، جس کی ایک مثال خود امام مالکؒ کی

مؤطا کا خلیفہ منصور کی خواہش (۱) پر مرتب ہونا ہے (دیکھئے زرقانی کی شرح مؤطا کا مقدمہ) لیکن ان کو کبھی سرکاری طور سے قانون ملک کے طور پر نافذ کر کے عدالتی و انتظامی افسرانِ مملکت کو انہیں کا پابند کر دینے کی صورت پیش نہ آئی۔ ایسے مجموعے صرف ایک درسی کتاب کی حیثیت حاصل کر سکے۔ جن سے حسب ضرورت حکامِ عدالت وغیرہ بھی مدد لیتے تھے۔ بہرحال ان خانگی کوششوں نے وہی مقصد حاصل کر لیا جو سرکاری اہتمام سے ممکن ہوتا اور کوشش کے خانگی ہونے، نے آئندہ بھی خانگی علماء کی ہمتیں بلند رکھیں۔ جو تدوین کے سرکاری ہونے کی صورت میں اتنے درخشاں نتائج پیش نہ کر سکتیں۔ میرے ایک فاضل بزرگ اس کی دوسرے الفاظ میں یوں تعبیر و توضیح کرتے ہیں کہ اسلام میں عہد نبوی کے بعد نہ صرف عدلیہ کو تنفیذیہ سے آزاد رکھا گیا بلکہ تشریعیہ کو بھی، اس سے بڑھ کر یہ کہ تشریعیہ کو بڑی حد تک خالص غیر سرکاری بنا دیا گیا۔

اسلامی قانون کی ابتدائی تدوین

ہمارا موضوعِ سخن آج اسلامی قانون کی ایک ابتدائی خانگی تدوین ہے جو دوسری صدی کے تقریباً آغاز سے وسط تک جاری رہی، یعنی امام ابوحنیفہؒ کی کوشش، جو ۸۰ھ میں پیدا اور ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے۔

کوفہ میں علم فقہ:

جیسا کہ معلوم ہوا، تدوین فقہ کا یہ عظیم الشان علمی کام کوفے میں انجام پایا۔ کوفے کو حضرت عمرؓ اسلام کی پشت پناہ، وغیرہ بہت زیادہ تعریف آمیز الفاظ سے یاد کرتے تھے، اور یہ بے وجہ نہ تھا۔

۱۔ ابوحنیفہؒ کی علمیت کا معترف ہونے کے باوجود منصور (حکومت ۱۳۶ھ تا ۱۵۸ء) کا ان کی جگہ امام مالک سے تدوین فقہ کی خواہش کرنا کچھ تو امام ابوحنیفہؒ کی پیرانہ سالی کے باعث ہوگا اور اس سے زیادہ ان کی سیاسی بے باکی و آزاد خیالی کے باعث عہد بنی امیہ میں وہ علانیہ انقلاب پسندانہ ہمدردیاں رکھتے تھے۔ چنانچہ جب امام زید بن علی نے ایک سیاسی انقلاب کیلئے جدوجہد کی تو انہوں نے بہت بڑی رقم چندے میں دی تھی۔ بنی عباس برسر اقتدار آئے تو چندے صبر کیا۔ پھر منصور کے خلاف ۱۴۸ھ میں بغاوت ہوئی تو انہوں نے علانیہ منصور کی برائی کی تھی۔ شاید امام مالکؒ نے بھی ابتداء منصور کی بیعت کے جبری اور بے اثر ہونے کا فتوئ دیا تھا۔ (سیرۃ النعمان، شبلی ص ۵۹ تا ۶۱) (باقی اگلے صفحہ پر)

امام محمد بن ادریس شافعی فرماتے ہیں : فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان امام محمد بن حسن کا ہے

کوفے کی آبادی قدیم شہر حیرہ کے قریب بسائی گئی، سد مآرب کے ٹوٹنے کے سلسلے میں جب بہت سے یمنی قبیلے شمالی عرب میں ترکِ وطن کر کے آ بسے، تو حیرہ بھی لخمی قبائل کا مرکز بنا، اور خاندانِ مناذرہ نے یہاں جو عرب حکومت قائم کی وہ ایرانی سرپرستی میں ایک خود مختار مملکت تھی۔ جس کے پائے تخت علم وفن کے چرچوں سے صدیوں تک گونجتا رہا اور وہ ایران وعرب کا علم اور اخلاق دونوں حیثیت سے سنگم بنا رہا، منذروں کا خاندان آغاز اسلام تک بھی براجتا رہا، لیکن پھر اس علاقے کا الحاق ایران سے ہو کر حیرہ کی حیثیت ایک صوبیدار شہر کی ہو گئی، اتنے میں فتوحاتِ اسلام کے اولین سیلاب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں سپہ سالار خالد بن الولیدؓ نے اس کی ایرانیوں سے گلوخلاصی کرائی۔

حضرت عمرؓ نے جب مملکت اسلامیہ میں جابجا چھاؤنیاں تعمیر کرائیں تو حیرہ کے بالکل

(بقیہ) لیکن صیمری نے (ورق ۴۸ تا ۴۹) ایک اہم واقعہ لکھا ہے کہ منصور نے ابن ابی ذئب العاصری اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک تینوں کو ملا کر یہ سوال کیا تھا کہ ان کی رائے میں وہ خلافت کا اہل ہے یا نہیں۔ ابن ابی ذئب اور ابوحنیفہؒ نے تو صاف صاف منصور کے کردار کی خامیاں برملا اس پر ظاہر کر دیں۔ لیکن امام مالکؒ نے یہ دلچسپ انداز اختیار کیا:

لو لم یرک اللہ اھلا لذالک ما قدرلک ملک امرا لامة و ازال عنھم من بعد من نبیتھم	اگر خدا تجھے اہل نہ سمجھتا تو وہ تجھے امت کے معاملات کا مالک بنانا طے نہ کرتا اور نہ امت سے ان لوگوں کی (حکومت) کو دور کرتا جو ان کے نبی سے (قرابت میں تجھ سے) زیادہ دور ہیں۔

اس ذومعنی فلسفیانہ جواب سے منصور کا اطمینان ہو گیا، اس نے امام مالک کو انعام بھی دیا اور غالبًا اسی عمدہ تاثر کے باعث جب اسے بغاوتوں سے فراغت حاصل ہوئی اور ایک مجموعۂ قانون ملک کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس نے امام مالکؒ سے رجوع کیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تدوین کی خواہش تک ابوحنیفہؒ کی وفات ہو چکی اور ابوحنیفہ کے مدونہ قانون کو سیاسی وجوہ سے سرکاری قانون بانا مناسب نہ معلوم ہوا ہو۔ بہر حال منصور کی خواہش تھی کہ جملہ قاضیوں کو مؤطا امام مالک کے مکمل ہونے پر اس کا پابند کر دے، قدرت نے ابو یوسفؒ کو ہارون رشید کا قاضی القضاۃ بنا دیا تو چاہے ''مذہب السلطان'' ہونے کے باعث ہی سہی (جیسا کہ یاقوت جلد ۶، ص ۱۲ میں اس کا عرف بتایا گیا ہے) بہر حال مشرقی دنیائے اسلام میں فقہ حنفی سرکاری قانون بن گئی۔

☆ قال الشافعی رحمہ اللہ تعالی : الفقہاء کلھم عیال ابی حنیفہ فی الفقہ ☆

قریب ایک خالص عربی شہر بسایا، جس کا نام کوفہ رکھا گیا۔ شہر کا نقشہ اور دیگر ابتدائی حالات کی تفصیل پروفیسر ماسینیون نے ایک مستقل مقالے میں دی ہے (تاریخ طبری ۱۷ھ میں بھی یہ تذکرہ پندرہ بیس صفحوں میں ہے) یہاں ہمیں صرف یہ معلوم کرنا باعثِ دلچسپی ہوگا کہ اس چھاؤنی میں حضرت عمرؓ نے کوئی بارہ ہزار یمنیوں کو اور کئی ہزار دیگر قبائل کو بسایا، ان میں ایک ہزار پچاس صحابی تھے، جن میں چوبیس بدری بھی تھے (سیرۃ النعمان شبلی، ص ۳۴، بحوالہ بلاذری ومعجم البلدان یاقوت)

حیرہ میں پہلے بھی یمنی ہی تھے، اور اب کوفے میں تازہ ہزاروں یمنی آ بسے تھے۔ یمن وہ مقام ہے جس کا تمدن عرب بڑا قدیم ہے۔ سبا اور بلقیس کے متمدن زمانے کے قصے قرآن نے بھی ذکر کئے ہیں۔ ان کے ملک میں جتنے کتبے دستیاب ہوئے ہیں عرب میں کہیں اور نہیں۔ اس یمن پر عرصے تک یہودیوں کی حکومت اور توریت کی کارفرمائی رہی، اس کے بعد حبش کے عیسائی آئے اور اٹلی کے پادری گرے جینٹوس نے اسکندریہ کے بطریک کے حکم سے یہاں عیسائی قوانین نافذ کئے جن کا مجموعہ مخطوطے کی صورت میں دیانا میں اب تک محفوظ (۱) ہے۔ عیسائی حبشیوں کا دور ایرانی حملے کے ذریعے سے ختم ہوا اور اس کے بعد ایرانیوں نے اسلام کے لئے جگہ خالی کی، اس طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ یمن تہذیب و ثقافت کے نقطہ نظر سے کتنے کثیر دریاؤں کا سنگ بنا، اور کتنی دلچسپ روایات وہاں کے تمدن میں سرایت کر گئیں۔

انہیں یمنیوں سے کوفہ آباد ہوا لیکن یہی نہیں۔

صحابۂ کرام میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں۔ جہاں تک قانون کا تعلق ہے رسول خدا ﷺ نے اپنی زندگی میں ان کو مدینہ منورہ میں مفتی مقرر فرمایا تھا کہ جس کسی کو کسی مسئلے کے متعلق قانونِ اسلام دریافت کرنا ہو عام طور سے انہیں سے رجوع کرلے اور یہ وہ واحد شخص ہیں جو خود رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں فتویٰ دیتے تھے۔(۲) حضرت عمرؓ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عمر میں دس پندرہ سال چھوٹے تھے، ایک طرح حضرت ابوبکرؓ کے

۱۔ دیورڑے (Desvager) کی فرانسیسی کتاب "عرب" (Arabia) ص ۷۱، حاشیہ۔ ان یہودیوں کو اس کا پابند کیا گیا کہ اپنی لڑکیاں کسی یہودی کو بیاہ نہ دیں بلکہ صرف عیسائی کو دیں۔ ایضاً بحوالہ فرانسیسی تاریخ (Histle Bas- Empire Saint - Martin) کتاب نمبر ۴۔

۲۔ کتاب الترتیب الاداریہ المسمّٰی نظام الحکومۃ النبویۃ لکتانی، ج ۱، ص ۵۷۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ: تمام لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے پروردہ ہیں

شاگرد کہے جاسکتے ہیں۔ ان دونوں میں اتنی گہری دوستی تھی کہ اکثر یک جا ساتھ رہتے۔ کوئی کام کرنا ہوتو مل کر کرتے۔ (۱)

عہد رسالت کے بعد خلافت صدیقی میں دونوں کا اشتراکِ عمل اور باہمی مشورہ اور بھی زیادہ ہوگیا، شاید اسی ہم مزاجی کو دیکھ کر ہجرت سے بھی پہلے جب مکہ میں مواخاۃ اولیٰ قائم کی گئی تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ہی میں بھائی چارہ قائم کیا گیا تھا۔ (۲) اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ علومِ صدیقی نے علومِ فاروقی کے ساتھ امتزاج حاصل کر لیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ابتداء انہیں بزرگوں سے تعلیم پائی، پھر براہِ راست جنابِ رسالت سے تفقہ حاصل کرتے ہے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تعریفی سند حاصل فرمائی کہ جسے قرآن سیکھنا ہو وہ عبداللہ بن مسعود سے سیکھے۔ (۳) اُن کی ذہانت اور قابلیت دیکھ کر حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں ان کو کوفے میں معلم بنا کر بھیجا۔ (۴) اور یہ وہاں کی جامع مسجد میں فقہ کا درس دیتے رہے۔ ان کے شاگردوں میں یمن ہی کے دو فاضل علقمہ اور اسود نخعی (ف ۷۵ھ) نے امتیاز حاصل کیا اور کوفے میں حضرت ابن مسعودؓ کے جانشین بنے۔ علقمہ کے شاگردوں میں ابراہیم نخعی ایک اور یمنی نے مسجد کوفہ میں درسِ فقہ کا سلسلہ جاری رکھا اور جب ابراہیم نخعی کی وفات ہوگئی تو حماد بن ابی سلیمان نے جو غالبًا ایرانی تھے کوفے کی درس گاہِ فقہ کو مزید شہرت عطا کی۔ امام ابوحنیفہؒ انہیں حماد کے شاگرد اور جانشین ہیں۔

صرف اتنا ہی نہیں حضرت علیؓ بھی جو **انا مدینة العلم و علی بابها** (۵) کے خطاب سے بارگاہِ نبوی سے سرفراز ہوئے تھے، وہ بھی آخری عمر میں کوفہ چلے آئے، اور اس طرح حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت علیؓ دونوں کے علوم کوفے میں جمع ہوگئے۔

۱۔ مغازی الواقدی (مخطوطہ برٹش میوزیم، ص ۱۰۳، سیرۃ شامیہ غزوہ خندق)

۲۔ کتاب للمجر مؤلفہ ابن حبیب باب المواخاۃ (مخطوط برٹش میوزیم)

۳۔ الاستعیاب لابن عبدالبر، ص ۱۵۳۶۔

۴۔ الاستعیاب لابن عبدالبر، ص ۱۴۳۶۔

۵۔ یہ حدیث زباں زدعام تو ہے لیکن صحاح میں سے صرف ترمذی میں "**انا دارالحکمة و علی بابها**" کے الفاظ میں وارد ہے اور ترمذی نے اسے "حدیث منکر" قرار دیا ہے۔

☆ میں نے امام محمد سے بڑھ کر کوئی فصیح نہیں دیکھا (امام محمد بن ادریس شافعی) ☆

تعزیرات یعنی سزائیں داخل ہوتی ہیں۔ عہد نبوی ہی سے اس کے لکھنے کی کوشش شروع ہو چکی تھی، فتح مکہ کے وقت جناب رسالت مآب ﷺ نے جو احکام و اصول سے لبریز خطبہ دیا تھا وہ خود جناب رسالت کے حکم سے لکھ کر ابو شاہ نامی ایک صحابی کو دیا گیا تھا کہ اپنے ملک میں اس کو لے جا کر دستور العمل بنائیں (بخاری) عمرو بن حزمؓ کو یمن کا گورنر بناتے وقت جناب رسالت مآب ﷺ نے جو طویل تحریری ہدایت نامہ دیا، اسے بھی تاریخ نے محفوظ رکھا ہے، زکوٰۃ کے سرکاری محاصل جو غلے، جانوروں اور نقد رقم وغیرہ پر وصول کئے جاتے تھے، ان کا نصاب بھی تحریر کر کے محصامین زکوٰۃ کو دیا جاتا تھا۔

حضرت ابن عباس (فوت ۶۸ھ) کے پاس کسی شخص نے ایک مرتبہ ایک کتاب پیش کی تھی جس میں حضرت علیؓ کے فتوے یکجا کئے گئے تھے۔ حکامِ عدالت کے فیصلوں کی نقلیں بھی محفوظ رکھی جاتی ہوں گی جس کا امام ابو یوسف وغیرہ کے زمانے سے پتہ چلتا ہے جو صحابہ اپنے طلبہ کو فقہ کی تعلیم دیتے تھے، اس کی یادداشتیں بھی لی جاتی رہی ہوں گی۔ امام زید بن علی (ف ۱۲۲ھ) کی طرف فقہ میں ایک کتاب المجموع منسوب ہے جو اب چھپ کر دستیاب بھی ہونے لگی ہے۔ اگرچہ ابھی تک اس بحث کا خاتمہ نہیں ہوا کہ یہ کتاب امام زید کی لکھی یا املا کرائی ہوئی ہے، یا ان کے لکچروں کو ان کے کسی شاگرد نے بعد میں خود مرتب کیا ہے؟ اگر وہ امام زید ہی کی ہے تو پھر یہ امر دلچسپ ہوگا کہ اس تدوین کا خیال انہیں کس طرح پیدا ہوا؟ اس کی ترتیب ابواب میں انہیں کسی سے مدد ملی؟ اور ان کا طریقہ کار کیا تھا؟ اور آیا وہ انفرادی کوشش تھی یا اشتراک وتعاون کا نتیجہ؟

احادیث نبوی کو فقہی ابواب پر مرتب کرنے کی کوشش امام مالک (ف ۱۷۹ھ) کی موطا سے بھی قبل امام ابن الماجشون (ف ۱۶۴ھ) نے کی۔ (۱) لیکن سوائے زرقانی کی شرح مؤطا کے

۱۔ گولت سیہر کو (محمد انشتے اشعودئین، ص ۲ و ص ۲۲۰) کو دھوکا ہوا ہے اور العامری محمد بن عبدالرحمٰن مشہور بہ ابن ابی ذئب کو سب سے قدیم مؤطا نویس قرار دیا۔ حتیٰ کہ ان کی وفات تک کسی سہو سے ۱۲۰ھ لکھ دی۔ ان کی وفات اصل میں ۱۵۹ھ میں ہوئی۔ یہ غلطی تحقیق مزید نہ کرنے سے گولت سیہر کے حوالے سے بروکلمان تک نے (جرمن تاریخ ادبیات عربی، ص ۱، ص ۶۵ تا ۶۶) اصل معہ ضمیمہ جدیدیہ) دہرادی ہے۔ ان دونوں نے حوالۂ زرقانی کا دیا ہے لیکن زرقانی نے ابن ابی ذئب کی جگہ ابن الماجشون کو تقدم عطا کیا ہے، اور امام مالک کا پیش رو قرار دیا ہے ابن ابی ذئب کی طرف ایک مؤطا منسوب کی ہے اور کوئی اور امر بیان نہیں کیا ہے چونکہ یہ امام مالک سے زیادہ معمر تھے، اس لئے ممکن ہے انہوں نے مؤطا پہلے تالیف کی ہو۔

کر یہ کہا ہو کہ "اگر کوئی غزاوات (تاریخ اسلام) کی تعلیم پانا چاہتا ہے تو اس کا مرکز مدینہ منورہ ہے اور کوئی مناسک حج کی مہارت پیدا کرنا چاہتا ہے تو مکہ اور اگر فقہ چاہتا ہے تو کوفہ (۱)

رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دس سالہ مدنی زندگی میں جس سیاست کی بنیاد ڈالی تھی اور خاص کر آخری سالوں میں ایران و روم کے لئے جو کارروائی شروع کی تھی، اس کو آپ کے جانشینوں نے جاری رکھا اور جب عراق و شام و مصر بھی شہر مدینہ کے نظامِ مرکزی میں منسلک ہو گئے تو ناگزیر بہت سے صحابہ ان مقبوضہ علاقوں میں جا کر متوطن ہو گئے، اس وقت دنیا میں مسلمانوں کے جو فقہی مذاہب رائج ہیں وہ زیادہ تر تین ہی صحابہ کے مکاتب کے روایات کے حامل ہیں۔ یعنی حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جیسا کہ بیان ہوا کہ کوفہ جا بسے تھے۔ جو نو آباد اور خالص عربی شہر تھا۔ اگرچہ عراق میں واقع اور ایرانی تمدن کے اثرات سے گھرا ہوا تھا اور ان کے تعلیمی سلسلے کی براہِ راست پیداوار علقمہ نخعی پھر حماد اور پھر ابوحنیفہؒ ہیں۔

حضرت ابن عمر زیادہ تر حجاز میں رہتے تھے۔ ان کے شاگردوں میں ان کے مولا نافع نے بڑا امتیاز حاصل کیا، امام مالکؒ انہیں کے شاگرد تھے اور مدینہ منورہ میں رہتے تھے۔ امام مالکؒ کے شاگرد امام شافعیؒ اور امام شافعیؒ کے شاگرد امام احمد بن حنبلؒ ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ پیغمبر اسلام کے چچا زاد بھائی، پروردے اور داماد تھے۔ زیادہ تر مدینے میں رہے۔ آخری عمر میں سیاسی ضرورتوں سے کوفے جا رہے تھے ان کی تعلیم کا ایک خاندانی سلسلہ بھی چلا اور جملہ شیعہ مذاہب اسی کی شاخیں ہیں۔

یہ نہ خیال کیا جائے کہ یہ مختلف مکاتب ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہے اور بالکل علیحدہ ترقی کرتے رہے۔ بلکہ اس زمانے کا رواج تھا کہ ہر بڑا عالم بیسیوں اساتذہ کے درس میں شریک رہا، اور ان کی تربیت سے فیض یاب ہوا ہوتا۔ مثال کے طور پر بعض عقیدت مند۔ سوانح نگاروں نے امام ابوحنیفہؒ کے شیوخ کی تعداد ہزاروں تک پہنچا دی ہے۔ بہرحال یہ امر قابل ذکر ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نہایت گہرے دوستانہ تعلقات نہ صرف زیدی مذہب کے بانی امام زید بن علی

۱۔ مناقب ابی حنیفہ للصمیری مخطوط استنابول (فوٹو در احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد) ورق نمبر ۶۱، نیز معجم البلدان یاقوت ذکر کوفہ۔

☆ قال الامام الشافعی رحمہ اللہ تعالی: امن الناس علیّ فی الفقہ محمد بن حسن ☆

زین العابدینؒ سے تھے۔(۱) بلکہ امامیہ مذہب کے بانی جعفر صادقؒ اور مباحث رہتے تھے۔ امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد رشید اور حنفی مذہب کے مشہور امام محمد شیبانی نے بھی امام مالکؒ سے عرصے تک تعلیم پائی تھی یہی حال امام شافعیؒ کا تھا۔ یہ نہ صرف امام مالک کے شاگرد رشید تھے بلکہ امام ابوحنیفہؒ کے دو بڑے شاگردوں میں شیبانی اور وکیع سے سالہا سال درس لیا تھا اور محمد شیبانی کی اونٹ بھر کتابیں (حمل بختی کتباً) انہوں نے نقل کی تھیں۔(۲)

غرض جب تک یہ مکاتب تعصّبات کا شکار نہ ہو گئے باہم افادہ اور استفادہ جاری رہا اور فراخ دلی اور آزاد خیالی کا ملاپ ان کا مسلک تھا۔ لیکن بعد میں ایسے زمانے آگئے کہ شیعوں اور سنیوں ہی میں نہیں شافعیوں اور حنبلیوں تک میں آپس میں خونریز جھگڑے ہونے لگے۔ اب اس پس منظر کے ساتھ دیکھو تو حنفی شافعی ہی نہیں، سنی شیعہ فقہ بھی مخصوص فرقہ وار فقہ نہیں، بلکہ وہ مسلمانوں کی مشترکہ فقہ ہے اور خاص کر ابتدائی صدیوں میں فرقہ وار اساتذہ اپنے فرقہ تک محدود نہیں رہتے تھے۔ خود جس چیز کو حنفی فقہ کہتے ہیں۔ اس میں ابوحنیفہ کے اقوال پر مشکل سے پندرہ فی صد امور میں عمل ہوتا ہوگا اور جس طرح سے شافعی و مالکی فقہ حنفی فقہاء سے متاثر ہوتی رہی ہے۔ حنفی فقہ کی بھی جزئیات میں ترمیم غیر حنفی اثرات سے محسوس و غیر محسوس دونوں طریقوں سے ہر زمانے میں ہوتی رہی۔ اسی لئے ہم نے اس مقالے کا عنوان ابوحنیفہ کی تدوین فقہ حنفی نہیں، بلکہ فقہ اسلامی رکھا ہے۔

تدوین وتحریر کا دور:

قرآن کو خود جناب رسالت مآب ﷺ نے مدون کرایا۔ آثار نبوی یا حدیث کو لکھنے کی بہت سی کوششیں مختلف صحابہ نے جناب رسالت مآب ﷺ کی زندگی میں بھی کیں، اور آپ کے بعد بھی۔ اور جن صحابہ نے لکھنے کو اہمیت نہ دی وہ بھی اپنی معلومات زبانی طور سے نوعمر نسلوں میں منتقل کرتے رہے۔ اس میں تخصیص بھی نظر آتا ہے۔ چنانچہ بعض صحابہ کے متعلق مروی ہے کہ وہ ہفتے میں ایک دن تفسیر پر، ایک دن غزواتِ نبویہ ﷺ پر، اپنے طلبہ کو لکچر دیتے تو باقی دنوں میں مختلف دیگر آثار نبویہ یا علومِ اسلامیہ پر، جہاں تک فقہ کے موجودہ مفہوم کا تعلق ہے، اور جس میں عبادات، معاملات، اور حدود

۱۔ مناقب موفق ۲۶۰/۱، مناقب کروری ۲۵۵/۱۔

۲۔ صیمری ورقہ نمبر ۲/۷ ب ذہبی کی مناقب محمد شیبانی ورق نمبر ۴۔

امام محمد بن ادریس شافعی فرماتے ہیں : فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان امام محمد بن حسن کا ہے

مدینہ منورہ میں توسیع فقہ

مزید برآں یہ کہ مدینہ منورہ میں توسیع فقہ کے لئے شوریٰ اور اجماع کا ادارہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے خاصا منظم کر دیا تھا، اس دور کے فیض یافتہ تابعین میں سے ''فقہاء سبعہ'' نے جلدی ہی بڑا امتیاز پیدا کر لیا، اور ان سات ماہرین کی کمیٹی نے ایک طرح سے قانون سازی اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ سخاوی نے وضاحت سے بیان کیا ہے کہ خود قاضی بھی مدینہ منورہ میں اس مجلس ہفت گانہ سے مشورہ لیتے اور اس کے فتوے کے پابند تھے۔ ان لوگوں کے نام قابل ذکر ہیں:

۱۔ ماہر قرآن وحساب و میراث حضرت زید بن ثابت کے بیٹے خارجہ (جو طلحہ بن عبداللہ بن عوف کے اشتراکِ عمل سے تقسیم وراثت کے مقدمات فیصلہ کرتے، اور معاہدات کی دستاویزیں لکھتے)

۲۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پوتے قاسم۔

۳۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عروہ۔

۴۔ بی بی میمونہ یا بی بی ام سلمہ کے مولیٰ سلیمان بن یسار۔

۵۔ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

۶۔ سعید بن المسیب۔

۷۔ عبدالرحمٰن بن عوف کے بیٹے ابوسلمہ یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پوتے سالم یا ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام القرشی، اس ساتویں رکن کے تعین میں اختلاف ہے، اور تین نام لئے جاتے ہیں جو تینوں مشہور فقیہ تھے۔ ممکن ہے مذکورہ بالا چھ میں سے بعض کے انتقال پر دو نئے ارکان اس کمیٹی میں شریک کر لئے گئے ہوں۔

امام ابوحنیفہؒ نے اپنے زمانے کی دنیائے اسلام کے اکثر اہم مرکزوں میں تعلیم سفر اختیار کیا اور خاص کر مکہ اور مدینہ کئی دفعہ گئے اور مجلس ہفت گانہ فقہاء سبعہ کے جو ارکان زندہ تھے ان سے خوب فیض حاصل کیا تھا۔ اسی طرح حضرت علیؓ کے خاندانی سلسلے کے ممتاز ارکان امام محمد باقر اور امام جعفر صادق اور امام زید بن علی زین العابدین سے بھی سالہا سال استفادہ کیا اور آخر میں کوفے ہی میں متوطن ہو کر وہیں فقہ کا درس دیتے رہے۔

ان حالات میں کوئی حیرت نہ ہو، اگر سفیان بن عیینہ نے اپنے زمانے کے حالات دیکھ

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ: امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہو جاتا

دیباچے میں نام کے حوالے کے اس کا اب کوئی پتہ نہیں چلتا۔ امام مالک کی تالیف اسی کی اصلاح اور اس کے جواب میں تھی۔ یہ خیال کیا جاتا رہا ہے کہ اولاً خالص حدیث کے مجموعے تیار ہوئے۔ پھر فقہی احکام کی حدیثیں الگ مرتب ہونے کے بعد آخر خالص فقہی کتابیں تیار ہوئیں۔ لیکن میں اس نتیجے پر پہنچتا ہوں کہ خالص حدیث کے بعد خالص فقہ کی کتابیں لکھی گئیں، تو ردعمل کے طور پر قانونی احادیث کے مجموعے تیار ہوئے۔ امام زید بن علی، امام ابوحنیفہ اور ابن الماجشون (ف ۱۶۴ھ) جنہوں نے صرف رواجات مدینہ جمع کر کے ایک کتاب شائع کی اور دیگر اہل الرائے نے ایک مکتب خیال قائم کیا، جس کے پیروں نے بعد میں غلو پیدا کیا تو بطور ردعمل اہل حدیث نے سنت کی پیروی پر زور دینے کے لئے فقہی احکام کی حدیثیں الگ مرتب کیں۔

امام مالک (ف ۱۷۹ھ) وغیرہ چند ہم عصروں کی مؤطاؤں کو اسی تحریک کا آغاز سمجھنا چاہئے اور صحیح بخاری کو اس کی انتہا۔

جب مملکت کے استحکام اور امن و امان کے ساتھ قانونی احکام کی روز افزوں وسعت و کثرت ہونے لگی، تو ان کے مجموعوں کی ضرورت حکومت نے بھی محسوس کرنی شروع کی اور خانگی علماء نے بھی مذکورہ بالا مختصر پس منظر سے فوراً معلوم ہوسکتا ہے کہ امام ابوحنیفہ (ف ۱۵۰ھ) کی کوششیں فقہ کو مدون کرنے کے متعلق اپنی نوعیت کی اولین نہ تھیں، لیکن ان کے کام کی وسعت تنوع اور فنی خصوصیات کے باعث ان کی کوششیں اوروں سے زمانے میں متاخر ہونے کے باوجود ہر نقش ثانی کی طرح زیادہ دلکش ہیں اور آج انہیں کا مختصر ذکر مطلوب ہے۔

امام ابوحنیفہ

ابوحنیفہؒ نعمان بن ثابت بن زوطی (یازوطرۃ(۱)) کی ولادت ۸۰ء میں ہوئی ان

۱۔ ذہبی کی مناقب امام ابوحنیفہ و صاحبیہ (نشریہ احیاء المعارف النعمانیہ، حیدرآباد دکن) میں ان کا نسب نعمان میں ثابن بن نعمان بن مرزبان ہے۔ بعض روایتوں میں روطی بن ماہ کا جو نام ملتا ہے وہ شبلی (سیرت النعمان) کی رائے میں بعد میں نعمان بن مرزبان ہوگیا۔ زوطی کے لفظ کا ہندوستانی جاٹ سے بھی ممکن ہے کچھ تعلق ہو، یا یہ کہ وہ "چھوٹے" کا معرب ہو کیونکہ نہ صرف اس لفظ کا تلفظ "روطا" اور "زوطی" دونوں میں ہے۔ (ان دونوں کے مابین "زوطے" سمجھنا چاہئے) (باقی اگلے صفحہ پر)

علم و فن میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی ثانی نہیں : (محدث ابوزرعہ)

کے متعلق بڑا اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ نسلاً کون تھے؟ کوئی عرب بتاتا ہے، تو کوئی ایرانی، کوئی افغانی کابلی بتاتا ہے تو کوئی باپ کو ایرانی اور ماں کو سندھی، تاریخ بغداد (نمبر ۷۲۹۷ ص ۳۲۵) میں خطیب نے علاوہ کابل، بابل، انبار، ترمذ اور نسا کے ایک روایت میں ان کے نبطی (۱) ہونے کی بھی درج کی ہے۔ نبطیوں سے مراد عراق اور شام کے مابین ایک صحرا نشین تجارت پیشہ قوم ہوتی ہے اور بعض وقت زراعت پیشہ، نبطی عموماً یہودی ہوتے تھے اور بعض وقت کسان پیشہ بھی بلالحاظ قومیت، ہمیں اس بحث سے زیادہ دلچسپی نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ اسلام نے شعوب و قبائل کی نسبت کو باہم تعارف اور پہچانت کی حد تک تو جائز رکھا ہے ورنہ اس اجازت کے ساتھ ہی اس نے کہہ دیا ہے کہ ''اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللہِ اَتْقَاکُمْ'' اگر اس بحث کی تکمیل اور تحقیق سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے کہ قانونِ اسلام کی تدوین یا ارتقاء پر امام ابوحنیفہؒ کے ذریعے سے کون سے بیرونی اثرات پڑے، تو وہ بھی لاحاصل ہوگی، کیونکہ چاہے ان کے دادا ایک آزاد کردہ غلام نومسلم ہی کیوں نہ رہے ہوں، خود ان کی آنکھ مسلمان گھرانے میں کھلی تھی، ماحول خالص اسلامی ملا، اور زندگی زیادہ تر کوفے، مکے یا بغداد کے اسلامی شہروں میں گزری۔ گو وہ فارسی ضرور جانتے تھے (مناقب الامام الاعظم مؤلفہ الموفق، ص ۲، ص ۵۵ تا ۵۶) اور ان کے اساتذہ میں عطا بن ابی رباح نوبیہ کے حبشی تھے۔ عکرمہ مولا ابن عباس بربر کے تھے۔ مکحول شامی یا مصری یا کابلی تھے اور عربوں کے علاوہ مختلف نسلوں کے عجمی مسلمانوں سے بھی تعلیم پائی تھی، تجارت غالباً ان کا آبائی پیشہ تھا۔ بہرحال ہم ان کو ریشم کے کپڑوں کا کاروبار عمر بھر کرتا پاتے ہیں اور زمانۂ طالب علمی میں بھی ان کو ''موسر'' مالدار کہا جاتا دیکھتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں انہیں تعلیم کا نہ تو شوق تھا، اور نہ موقع ملا تھا، اور وہ اپنی ذہانت و توانائی بازار ہی میں صرف کرتے تھے۔ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز کا علم پرور دور آیا تو اس نے ان کو بھی متاثر کئے بغیر نہ چھوڑا، جسے ایک بار علم کا چسکا پڑ جائے وہ کہاں چھوٹ سکتا ہے۔

شعبی ایک مشہور محدث گزرے ہیں، ان کی مردم شناس آنکھ نے ہونہار ابوحنیفہ کا جوہر تاڑ لیا اور ایک دن پوچھ ہی لیا کہ صاحبزادے تم کس سے تعلیم پاتے ہو؟ اور جب کاروبار کا نام سنا تو فرمایا کہ تم غفلت نہ کرو اور علم حاصل کرنے اور علماء کے ساتھ بیٹھنے پر نظر رکھو۔ کیونکہ میں تم میں ایک

(بقیہ) بلکہ اس کے معنی بھی بعض مؤلف نے ''چھوٹے'' ہی کے بتائے ہیں، شاید سندھی لفظ ہو۔

۱۔ ابن سیرین کو ابوحنیفہ پر چوٹ کرنی ہوتو ''نبطی زادہ'' ہی کہا کرتے تھے۔ (صمیری ورق، ص ۵۵)۔

☆ قال الامام الشافعی رحمه الله تعالی : امن الناس علیّ فی الفقه محمد بن حسن ☆

بیداری اور حرکت پاتا ہوں (موفق ۱/۵۹) حساس دل پر بے غرضانہ خلوص کا فوراً اثر ہوتا ہے، چنانچہ انہوں نے اب اعلیٰ تعلیم پر توجہ کی، اور یکے بعد دیگرے بہت سے اساتذہ کے حلقہ ہائے درس میں شریک ہو کر اپنی پسند کا معلم انتخاب کرنے لگے (موفق ۱/۶۴)

بعض بیانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں شروع میں علم کلام سے دلچسپی ہوئی جو اس زمانے میں نیا نیا رواج پذیر ہوا تھا، اور آپ نے کافی درک بھی پیدا کر لیا۔ لیکن ایک دن کسی بڑھیا نے ان سے روزمرہ کام کا کوئی معمولی سا مسئلہ پوچھا تو اس میں یہ کورے نکلے۔ (صمیری ورق نمبر ۱۱۸) اس سے ان کے دل کو بڑی چوٹ لگی کہ وہ علم ہی کس کام کا کہ غیر محسوس امور کے متعلق تو زمین و آسمان کے قلابے ملائیں اور روزمرہ کی ضرورتوں کے احکام سے نابلد رہیں۔ عقود الجمان فی مناقب الامام اعظم مؤلفہ محمد بن یوسف بن علی الصالحی ہیں لکھا ہے کہ شہر بصرہ میں امام ابو حنیفہؒ کے خوارج اباضیہ، صفریہ اور حشویہ فرقوں سے بیس سال سے زیادہ عرصے تک مباحث رہے۔

ایک بعد کے زمانے میں ان کے ایک شاگرد ہیثم بن عدی الطائی نے ان سے پوچھا تھا کہ علوم تو بہت سے ہیں آپ نے فقہ کا کیوں انتخاب کیا تو انہوں نے کہا تھا:

> ''میں بتاؤں، توفیق تو خدا کی طرف سے ہوئی اور تعریف کا اہل و مستحق وہی ہے، بہرحال جب میں نے علم حاصل کرنے کا ارادہ کیا تو سب ہی علم اپنے سامنے رکھے، اور سب کو تھوڑا تھوڑا پڑھا۔ اور پھر ان کے انجام اور نفع پر غور کیا۔ چنانچہ میں نے علم کلام کو لینا چاہا تو نظر آیا کہ اس کا انجام برا ہے اور منفعت تھوڑی۔ اور اگر کوئی شخص اس میں کمال بھی پیدا کرے اور لوگوں کو اس کی ضرورت پڑے تو بھی وہ علانیہ کچھ نہیں کہہ سکتا، ورنہ اس پر ہر قسم کے الزام لگائے جاتے ہیں، اور اسے برا کہا جانے لگتا ہے، پھر میں نے ادب اور نحو پر غور کیا اس کا انجام صرف یہ نظر آیا کہ کسی بچے کا معلم بن سکوں، پھر میں نے شاعری پر غور کیا تو دیکھا کہ اس میں مدح و ہجو اور جھوٹ اور دین کی مخالفت کے سوا انجام کچھ نہیں، پھر قرأت پر غور کیا تو اس میں کمال کا انجام یہ نظر آیا کہ نوجوان میرے پاس پڑھنے آئیں گے اور قرآن اور اس کے معنوں پر کچھ کہنا تو بڑی ٹیڑھی چیز ہے۔ پھر میں نے کہا کہ حدیث

امام محمد بن ادریس شافعی فرماتے ہیں : فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان امام محمد بن حسن کا ہے

پڑھوں تو دیکھا کہ بہت سی حدیثیں جمع کر کے لوگوں کے لئے اپنی احتیاج پیدا کرنے پر بڑی عمر لگے گی، اور جب یہ چیز حاصل بھی ہو جائے تو شاید صرف نوعمر ہی میرے پاس آئیں اور ممکن ہے کہ مجھ پر جھوٹ یا بھول کا الزام لگائیں، اور قیامت تک وہ میری بدنامی کا باعث ہو جائے، پھر میں نے فقہ پر غور کیا اور جتنا زیادہ غور کیا اتنا ہی اس کی عظمت و جلالت ذہن نشین ہوتی گئی، اور اس میں کوئی عیب نظر نہ آیا، اور میں نے دیکھا کہ ایک تو اس طرح ہمیشہ علماء فقہاء مشائخ اور اہل نظر کی ہم نشینی حاصل ہوگی، اور ان کے اخلاق سے متصف ہونے کا موقع ملے گا اور دوسرے یہ بھی نظر آیا کہ اس کے جاننے کے بغیر نہ تو مذہبی فرائض کی ادائی ٹھیک ہو سکتی ہے نہ دینی امور انجام پا سکتے ہیں اور نہ عبادت کی جا سکتی ہے۔ یوں بھی اگر گھر میں یا رشتہ داروں میں یا محلے میں کوئی مسئلہ پیش آئے تو لوگ مجھ سے پوچھیں گے اور اگر میں جواب نہ دے سکوں تو کہیں گے کہ پوچھ کر بتلاؤ، اور اگر میں کسی سے پوچھوں تو وہ معاوضہ کی توقع کرے گا، غرض اگر کوئی فقہ سے دنیا حاصل کرنا چاہے تو اعلیٰ ترین مراتب پر پہنچنے کے امکانات ہیں، اور اگر کوئی عابد اور عزلت گزیں بننا چاہے تو پھر کوئی یہ اعتراض نہ کر سکے گا کہ بے جانے بوجھے عبادت میں لگ گیا ہے۔ بلکہ یہی کہا جائے گا کہ علم حاصل کر کے اس کے مطابق عمل کیا ہے۔"

(موفق ۵۷ تا ۵۸) تاریخ بغداد نمبر ۷۲۹۲، ص ۳۳۱ تا ۳۳۲) میں خطیب نے یہی روایت یوں بیان کی ہے کہ انہوں نے احباب سے مشورہ کیا اور مختلف علوم کے نتائج اور خامیاں بھی انہیں نے ابوحنیفہ کو بتائی تھیں۔

بہرحال جب امام ابوحنیفہؒ نے فقہ پر توجہ کی تو شہر کوفہ کے مختلف اساتذہ کے حلقہ ہائے درس میں حاضر ہوتے گئے، مگر سوائے حماد بن ابی سلیمان کے کوئی نظر میں نہ جچا۔ چنانچہ ان کی وفات تک برابر ان کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرتے رہے (موفق ۱/۶۴)

حضرت ابن مسعودؓ نے حضرت عمر کے حکم سے بطور معلم آ کر کوفے میں سکونت اختیار کر

☆ قال الامام الشافعي رحمه الله تعالى : امن الناس عليّ في الفقه محمد بن حسن ☆

کے درس و تدریس کا جو اہم سلسلہ شروع کیا تھا، اسے علقمہ پھر ابراہیم نخعی اور ان کے بعد حماد جیسے ممتاز فقہاء نے جاری رکھا تھا اور خود امام ابو حنیفہ کے الفاظ ہیں جو انہوں نے خلیفہ منصور سے کہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ کے علوم کا سنگم اس مدرسے میں ہو گیا تھا (صمیری ورق ۴۸/ا، ب) جس کے باعث اس مکتب نے خاص وقار حاصل کر لیا تھا۔ اب حمّاد کی وفات پر خوف ہوا کہ کہیں یہ نام مٹ جائے اور یہ سلسلہ ٹوٹ نہ جائے، پہلے حمّاد کے قابل بیٹے اسماعیل کو مسند نشین کرنے کی خواہش ہوئی، لیکن انہیں فقہ سے زیادہ شاعری اور تاریخ سے دلچسپی تھی۔ آخر حماد کے شاگردوں نے باہم مشورہ کیا اور سب کی نظر اپنے کم سن شریک درس ابو حنیفہ کے سوا کسی پر نہ جمی اور سبھوں نے انہی کو مجبور کرنا شروع کیا۔ انہوں نے کہا:

> ''بھائیو! مجھے عذر نہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ تم میں سے کم سے کم دس پورے سال میرے درس میں موجود رہا کرو۔ انہوں نے یہ ایثار منظور کیا کہ ہم جماعت کے شاگرد بنیں، اور اس طرح اس حلقۂ درس کو عوام میں ایک وقار حاصل ہو گیا، اور لوگ کھنچے چلے آنے لگے، ابو حنیفہ نے اپنے اخلاق اور اپنی دولت سے بھی اچھا کام لیا۔ شاگردوں وغیرہ میں سے غرباء کی امداد اور خوش باش لوگوں کو تحفے تحائف دینے کا سلسلہ ہمیشہ جاری رکھا۔ اس طرح رفتہ رفتہ کوفے کی جامع مسجد میں ان کا حلقۂ درس سب سے بڑا حلقہ بن گیا، اور ان کی ذہانت کے چرچے پھیل گئے۔ چونکہ وہ خود خوشحال تھے، اور علمی انہماک کے سوا دنیاوی جاہ و منصب کی خواہش نہ رکھتے تھے اس لئے سرکاری حلقوں میں بھی ان کی وقعت بڑھتی چلی گئی۔''
>
> (موفق ۶۶ و ۷۰، م۲/۷/۱)

شہرت سے ہم عصروں کو حسد پیدا ہوا کرتا ہے، امام ابو حنیفہؒ کے ہم عصر بھی اس سے مستثنیٰ نہ رہ سکے۔ خاص کر شہر کے قاضی اور کوتوال ان سے بہت جلتے تھے، کیونکہ بسا اوقات ان کے فیصلوں پر ابو حنیفہ تنقید کر کے غلطیاں نمایاں کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ بغداد کے قاضی نے شہر کی ایک پیشہ ور طوائف کو آمادہ کیا کہ امام ابو حنیفہ کو کسی بہانے اپنے گھر بلائے، رات کو وہ مصیبت زدہ بن کر آئی اور اپنے بستر مرگ پر پڑے ہوئے شوہر کی تلقین کے لئے بلایا، دردمند امام

امام محمد بن ادریس شافعی فرماتے ہیں : فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان امام محمد بن حسن کا ہے

گلیوں میں سے گزر کر اس کے گھر پہنچے تو پہلے سے تیار پولیس نے ان کو گرفتار کر کے طوائف کے ساتھ رات بھر حوالات میں رکھا کہ ان کا چالان کر کے غیر ثقہ اور آئندہ گواہی کے ناقابل قرار دیا جائے، ابو حنیفہ رات بھر حسب عادت نوافل اور عبادت میں مصروف رہے۔ اس کو دیکھ کر تھوڑی ہی دیر میں طوائف سخت پشیمان ہوگئی، اور پورا واقعہ بیان کر کے معافی چاہی۔ کسی طرح ابو حنیفہؒ کی بیوی بھی پتہ چلا کر بڑی رات گئے حوالات آئیں تو طوائف بڑی خوشی سے اُن سے کپڑے بدل کر وہاں سے رخصت ہوگئی۔ صبح کو ابو حنیفہؒ مع اپنی بیوی کے عدالت میں پیش ہوئے اور عدالت کو مجبوراً انہیں عزت سے بری کرنا پڑا۔ (موفق، ۱۷ تا ۱/۱۹)

حمید طوسی (کوتوال) نے اور ایک روایت میں افسر تعارفِ شاہی (حاجب) ربیع نے ایک دن منصور کے سامنے ابو حنیفہ سے یہ خطرناک سوال کیا کہ وقت بوقت ہم کو خلیفہ قتل وغیرہ سزاؤں کے نفاذ پر مامور کرتا ہے اور ہمیں مقدمے کے حالات کا علم نہیں ہوتا کہ سزا منصفانہ ہے یا ظالمانہ۔ ایسی صورت میں ہم حکم کی تعمیل کریں یا نہیں؟ ابو حنیفہؒ نے جرح کی کہ ''تمہاری رائے میں خلیفہ منصفانہ حکم دیتا ہے یا ظالمانہ؟'' اس نے کہا ''منصفانہ'' ابو حنیفہؒ نے کہا ''تو منصفانہ احکام کی فوراً تعمیل کرو، اس میں ثواب ہے۔'' اور اس طرح عملی سوال کو علمی بنا کر خودداری کی لاج رکھی۔

(صیمری ورق نمبر ۵۰/ ب مناقب مؤلفہ ذہبی بر موقع)

مشہور مؤرخ ابن اسحاق کی بھی امام ابو حنیفہ سے نہیں بنتی تھی۔ ایک دن وہ اور ابو حنیفہ دونوں خلیفہ منصور کے پاس موجود تھے۔ ابن اسحاق نے موقع دیکھ کر کہا: ''امیر المؤمنین یہ شخص کہتا ہے کہ...... حضور کے جد امجد حضرت ابن عباسؓ نے اس مسئلے میں غلطی کی تھی، جب یہ کہا تھا کہ کوئی شخص قسم کھا کر بعد میں کسی وقت بھی انشاء اللہ کہے تو قسم کی پابندی باقی نہیں رہتی۔'' اور کہتا ہے کہ انشاء اللہ قسم کے ساتھ فوراً کہنا چاہئے۔'' ابو حنیفہ نے جواب دیا: ''امیر المؤمنین یہ شخص کہتا ہے کہ آپ کی فوج پر آپ کی اطاعت واجب نہیں کیونکہ بیعت کا حلف لینے کے بعد گھر میں جا کر انشاء اللہ کہہ دیتے ہیں۔'' خلیفہ ہنس پڑا، اور ابو حنیفہ عزت کے ساتھ گھر واپس آئے۔

(موفق ۱۴۳ تا ۱/۱۴۴ کروری ۱/۱۸۴)

امام ابو حنیفہؒ کو ایک بڑھیا کے سامنے فقہ کے ایک معمولی روزمرہ کے مسئلے کے متعلق جو خفت برداشت کرنی پڑی تھی، معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اثر ان کے دل پر ہمیشہ رہا۔ چنانچہ فقہ میں

☆ قال الشافعی رحمہ اللہ تعالی: الفقہاء کلہم عیال ابی حنیفہ فی الفقہ ☆

درک حاصل کرنے، حماد کا جانشین بننے اور بہت سے شاگرد فراہم ہو جانے کے بعد انہوں نے اپنی دیرینہ دلی آرزو پوری کرنے کی کوشش کی، اور چاہا کہ مختلف ابواب کے مسائل مرتب کریں، چنانچہ انہوں نے اسلام کی بنیاد یعنی نماز سے آغاز کیا اور اس پر ایک رسالے میں بہت سے احکام جمع کئے اور اس کا نام ''کتاب العروس'' رکھا (موفق، ۶۷ تا ۱/۶۸)

اس رسالے کی مقبولیت سے ہمت پا کر انہوں نے چاہا کہ مزید ابواب کے مسائل مرتب کریں کہ یک بیک ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ جو ہر راسخ العقیدہ مسلمان کو بے چین کر دینے کے لئے کافی ہے۔ چنانچہ ابوحنیفہ نے خواب میں دیکھا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کھود کر اندر کی ہڈیاں چوطرف پھینک رہے ہیں۔ تعبیر خواب کے فن کے بعض ماہرین (۱) نے بتایا کہ ایسا خواب دیکھنے والا پیغمبر اسلام کے علوم کو زندہ کر کے چار دانگ عالم میں پھیلائے گا، اس پر ابوحنیفہؒ بہت خوش ہوئے اور گوشہ گزینی چھوڑ کر دوبارہ فقہ کا درس دینے اور تدوین فقہ کا کام جاری رکھنے پر آمادہ ہوئے۔ ((موفق ۶۷/۱ تا ۶۸)

اس کا پتہ چلتا ہے کہ ہر انقلاب حکومت کے وقت نئے حکمران ملک کی اقلیتوں کو ہمنوا بنانے کی کوشش کرتے ہیں (تاریخ طبری، ۲۱۰۶ کے مطابق) حضرت ابوبکرؓ تک نے سپہ سالار خالد بن الولید کو عراق میں اسی کا حکم دیا تھا۔ ۱۳۲ء میں بنی امیہ کا خاتمہ ہوا تو کوئی تعجب نہیں کہ عباسیوں نے بھی ایسا ہی کیا ہو۔ بہر حال اس کا پتہ چلتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے زمانے میں ذمیوں یعنی یہودیوں، نصرانیوں، پارسیوں وغیرہ کے تعلقات مسلمانوں سے اچھے تھے، اور بعض ذمی، غریب مسلمانوں کی مالی مدد وغیرہ کرتے تھے، تاکہ رسوخ حاصل کریں اور بعض مسلمان ایسی امداد کے قبول کرنے کو ہتک اور تقویٰ کے خلاف سمجھتے تھے۔ (موفق ۱/۲۶۶)

ایسے دوستانہ تعلقات کے زمانے میں یہ ناگزیر نہیں تو ناممکن بھی نہیں ہے کہ مسلمانوں اور عیسائیوں وغیرہ میں دوستانہ بحثیں بھی ہوا کرتی ہوں، اور کیا تعجب ہے کہ مسلمانوں کا طعنہ دیا گیا ہو

۱۔ عام طور پر بصرہ کے امام ابن سیرین کا اس سلسلے میں نام لیا جاتا ہے مگر شبلی نے (سیرۃ النعمان، ص ۵۵ میں) اس پر اعتراض کیا ہے کہ ابن سیرین کی وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی اور امام ابوحنیفہ کو یہ خواب حماد کی وفات ۱۲۰ھ کے بعد ہوا ہوگا بہر حال کسی نے تعبیر کی ہوگی، خواب بھی آغاز تعلیم پر نظر آیا ہو سکتا ہے اور ابن سیرین ہی تعبیر کر سکتے ہیں۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ: تمام لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے پروردہ ہیں

کہ تمہارا قانون مدون ہی نہیں ہے اور ہمارا قانون باقاعدہ مرتب شدہ موجود ہے۔ ممکن ہے ایسے ہی کسی طنز پر امام ابوحنیفہؒ نے پورا اسلامی قانون مرتب کرنے کی کوشش شروع ہو، ضرورت بہت دن سے تھی، باعث کا پتہ نہیں چلتا، ان کے ہم عصر ابن المقفع نے ایک درد بھرے رسالے میں حکومت کو توجہ دلائی تھی کہ:

> ''قضراہ ساختہ قانون نیز فتاویٰ میں متضاد نظائر و آراء کی اتنی کثرت ہوگئی ہے کہ صحیح اور متفق علیہ اسلامی قانون کا کسی امر میں بھی پتہ چلنا تقریباً ناممکن ہوگیا ہے اور یہ کہ اس بات کی ضرورت ہے کہ مختلف اقوال کو کھنگال کر اور کسی ایک کر ترجیح دے کر خلیفۃ المسلمین کے فرمان کے ذریعے سے وہ حکماً واجب التعمیل قرار دیا جائے اور اس کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہے۔''

ابن المقفع کی اس تجویز پر عمل کرنے سے ایک برائی کی جگہ دوسری برائی پیدا ہو جاتی، بہر حال کیوں قانونِ اسلامی کو مدون کیا؟ اس کا جواب سوائے قیاس آرائی کے نہیں دیا جا سکتا، کیا کام کیا؟ اس سے سب لوگ واقف ہیں۔ کس طرح وہ کام انجام دیا اس پر کچھ مواد یہاں فراہم کیا گیا ہے۔

امام ابوحنیفہ کا طریقہ کار

ابھی ہم نے دیکھا کہ حمادؔ کی وفات پر ابوحنیفہؒ کوفے میں فقہ کا درس دینے لگے تھے، ان کا طریقۂ تعلیم چند ایک منتشر بیانات سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اعمش ایک مشہور فقیہہ گزرے ہیں۔ ان سے اگر کوئی کچھ مسئلہ دریافت کرتا تو وہ کہتے جاؤ اس حلقے میں بیٹھو، یعنی ابوحنیفہ کے پاس کیونکہ اگر کوئی مسئلہ پیش آتا ہے تو وہ اس پر باہم بحث کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ خوب روشن ہو جاتا ہے۔
(مناقب کروری ۲/۳)

ابن عیینہ مشہور محدث تھے، ایک دن وہ گزرے تو دیکھا کہ ابوحنیفہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مسجد میں ہیں، اور خوب غل مچا ہوا ہے انہوں نے کہا: ''ابوحنیفہ یہ مسجد ہے، یہاں آواز نہ اٹھنی چاہئے۔'' ابوحنیفہ نے کہا انہیں چھوڑ دو بھی، اس کے بغیر وہ سمجھتے نہیں۔ (کروری ۲/۷۳)

ایک دن کسی نے فقہ کا درس اور قیاس آرائی دیکھی تو فقرہ کس دیا کہ: ''قیاس سب سے

☆ قال الشافعی رحمہ اللہ تعالی : الفقہاء کلہم عیال ابی حنیفہ فی الفقہ ☆

پہلے ابلیس نے کیا تھا۔" (مراد یہ تھی کہ خدا نے جب حضرت آدم کو سجدے کا حکم دیا تو آتشی مخلوق کو خاکی مخلوق سے افضل قیاس کر کے ابلیس نے خدا کا حکم ماننے سے انکار کیا تھا) ابوحنیفہ اس طرف متوجہ ہوئے اور کہا بھلے مانس تم نے بے محل بات کہی ہے، ابلیس نے خدا کے حکم کو ٹھکرایا تھا، اور ہم ایک مسئلے کو دوسرے پر صرف اس لئے قیاس کرتے ہیں اسے قرآن یا سنت یا اجماع امت کے اصول کے تابع کریں اور اسی کی کوشش کرتے ہیں اور (خدا کے حکم کی) پیروی چاہتے ہیں، پھر یہ اور وہ دونوں ایک کیسے ہوئے؟ (موافق ۱/۸۱)

ایک دن اور کسی نے ان کے اجتہاد کرنے پر اعتراض کیا تو کہا:

"میں قرآن ہی کو لیتا ہوں اگر اس میں حکم ملے، اگر اس میں نہ ملے تو رسول ﷺ کی سنت پر عمل کرتا ہوں، اور ثقہ لوگوں کے ذریعے سے جو صحیح حدیث نبوی ملے اس کو لیتا ہوں۔ اگر قرآن میں حکم ملے اور نہ سنت نبوی میں تو آپ کے صحابہ کے اقوال پر نظر ڈالتا ہوں۔ اگر ان میں باہم اختلاف ہو تو خود کسی ایک کو ترجیح دیتا ہوں۔ لیکن اگر صحابہ اور غیر صحابہ میں اختلاف ہو تو صحابہ کے قول کو ہرگز نہیں چھوڑتا۔ ہاں جب رائے ابراہیم اور شعبی اور حسن بصری اور ابن سیرین اور سعید بن المسیب وغیرہ وغیرہ کی ہو تو جس طرح ان کو اجتہاد کا حق ہے مجھے بھی ہونا چاہئے۔" (موافق ۱/۸۹)

محمد بن ابی مطیع کہتے ہیں کہ میرے باپ نے کوئی چار ہزار مشکل سوالات مرتب کئے۔ جو ہر باب سے متعلق تھے یا واقعات پیش آ چکے تھے، وہ اپنا سوال بند لا کر ابوحنیفہؒ سے جوابات پوچھا کرتے تھے۔ ابوحنیفہ نے کہا: "ابومطیع کیا ایسے بہت سے سوالات ہیں؟" کہا تقریباً چار ہزار ابوحنیفہؒ نے کہا: "میری مشغولیت کے وقت یہ چیزیں نہ پوچھو، دریافت اس وقت کرو جب میں فارغ ہوں۔" چنانچہ وہ ابوحنیفہؒ کی فراغت کے انتظار میں رہا کرتے تھے، اور رفتہ رفتہ تمام سوالات ختم کر دیئے۔ (موفق ۱۴ تا ۱/۱۴۲)

ابوحنیفہ کا قول ہم نے ابھی سنا کہ وہ فقہی سوالات کے حل کرنے میں قرآن کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے تھے، ان کا قرآنی مطالعہ ظاہر ہے کہ بہت وسیع ہونا چاہئے، وہ حافظ تو تھے ہی، شروع شروع میں روزانہ پورے قرآن کا ختم کر لیا کرتے تھے، لیکن بعد میں جب اصول کے

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ: تمام لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے پروردہ ہیں

استخراج اور مسائل کے استنباط میں مشغول ہو گئے تو بھی تین دن میں ایک ختم ضرور کر لیتے تھے۔

(موفق ۱/۲۴۴)

حقیقت میں ان کو قرآن سے عشق معلوم ہوتا ہے، چنانچہ لکھا ہے کہ جب کبھی کسی نہایت دقیق مسئلے پر غور کرنا ہوتا تو وہ تخلیئے میں اپنے تین مخصوص شاگردوں کو لیتے جن میں سے ایک خوش الحانی سے کچھ آیات کی تلاوت کرتا، پھر ابو حنیفہ ان سے اس مسئلے میں باہم بحث کرتے۔

(موفق ۱/۹۶)

ابو بحر معتصمی کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ تین سال تک ابو حنیفہؒ کے پڑوس میں رہا، میں رات بھر ان کو نماز میں قرآن پڑھتے سنتا اور دن بھر اپنے شاگردوں سے فقہی مسائل کے شور و غل پاتا، میں نہیں جانتا کہ وہ کھاتے کب اور سوتے کب تھے۔ (موفق ۲۵۰/ ا دیگر شہادت موفق ۱/۲۵۱)

کوفے کی مسجد میں وقف کی چار سو دائیں طلبہ کے لئے ہمیشہ رہتی تھیں (موفق ۲/۱۴۰)

اور یقیناً ابو حنیفہ کے سینکڑوں ہی شاگرد ہوئے ہوں گے، امام سیف الائمہ سائلی کا بیان ہے کہ ابوحنیفہ کے ایک ہزار شاگرد تھے، جن میں چالیس خاص فضیلت و جلالت رکھتے تھے بلکہ اجتہاد کے درجے تک پہنچ چکے تھے، ابوحنیفہ ان کو خاص طور سے عزیز رکھتے تھے، اور ان کو تقرب حاصل تھا۔

ایک دن انہوں نے ان چالیس شاگردوں سے کہا کہ تم میرے سب سے جلیل القدر ساتھی اور میرے دل کے رازداں اور میرے غمگسار ہو، میں فقہ کی اس سواری کو زین اور لگام لگا کر تمہارے سپرد کر چکا ہوں، اب تمہیں چاہئے کہ میری مدد کرو، کیونکہ لوگوں نے مجھے دوزخ کا پل بنا دیا ہے، کہ سہولت تو دوسروں کو ہوتی ہے اور بوجھ میری پیٹھ پر رہتا ہے۔ (موفق ۱/۳۳)

ان چالیس طلبہ میں سے مختلف ایسے علوم و فنون کے بھی ماہر تھے جن سے فقہ میں مدد ملتی، مثلاً تفسیر، حدیث و سیرت، بلاغت و بیان، صرف و نحو، لغت و ادب، منطق، ریاضی و حساب وغیرہ وغیرہ، خود ابو حنیفہ عملی معاشیات اور تجارتی کاروبار کا وسیع تجربہ رکھتے، اور علم کلام وغیرہ سے بھی ابتدائے تعلیم میں خوب واقفیت پیدا کر چکے تھے، اس طرح ان شاگردوں میں ہر ملک کے لوگ تھے۔ عرب بھی، ایرانی بھی، خرسانی بھی، عراقی بھی، شامی بھی، موالی بھی۔

(مبسوط سرخسی ۲ تا ۱/۳ موفق ۳۲، ۳۳، ۲، ۱/۷، ۲/۱۳۳)

☆ قال الشافعي رحمه الله تعالى : الفقهاء كلهم عيال ابي حنيفه في الفقه ☆

امام ابوحنیفہ کی تدوین قانونِ اسلامی

ایک حدیث میں ہے کہ:

''خدا علم کو یک بیک اٹھا نہیں لیتا ہے، بلکہ علماء کی موت کے ذریعے سے اس کو چھین لیتا ہے، اور جاہل لوگ سردار بن جاتے ہیں، جو ناسمجھی سے احکام دیتے ہیں۔''

کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ اس حدیث سے بہت متاثر تھے، انہوں نے اپنے زمانے میں دیکھا کہ علماء ہیں تو، لیکن علم منتشر ہے اور خوف ہے کہ ناخلف نسلیں آئندہ اسے ضائع نہ کردیں، اسی لئے انہوں نے فقہ کے مسائل کو باب وار مرتب کرنے کا کام شروع کردیا۔ (موفق ۱/۳۴، ۲/۱۳۶)

اس مجلس تدوین میں فقہ میں ہم کو بڑے بڑے نام ملتے ہیں، امام ابو یوسف، امام محمد شیبانی اور امام زفر کے نام سے بچہ بچہ واقف ہے۔ عبداللہ بن مبارک اور فضیل بن عیاض اور داؤد بن نصیر جیسے عابد و زاہد بھی اس میں شریک تھے وکیع جیسے ماہر تفسیر بھی تھے، حسن بن زیاد جیسے فقیہ اور حفص جیسے ماہر حدیث بھی تھے، ان کے علاوہ خارجہ بن مصعب سے ابوحنیفہ اکثر مشورہ کرتے...... (موفق ۱/۲۲۲) اور عافیہ نامی شاگرد کے متعلق لکھا ہے کہ وہ فقہی غور و خوض میں شریک رہا کرتے تھے اور اگر کسی دن وہ نہ ہوتے تو ابوحنیفہؒ کہتے کہ بحث کو ابھی مکمل نہ سمجھو، چنانچہ عافیہ آکر بحث کے نتیجے سے اتفاق کر لیتے تو پھر اس کو ختم سمجھا جاتا (جواہر عبدالقادر، نمبر ۷۰۳) انہیں میں یحیٰ بن زکریا، حبانؔ، مندل، قاسم بن معن بن عبدالرحمٰن، بن حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہ کے نام بھی ملتے ہیں۔ (موفق ۱/۳۳)

ابوحنیفہ کا طریقہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک مسئلہ پیش کرتے اور ہر ایک کے معلومات اس کے حل کے لئے دریافت کرتے اور اپنی رائے بھی پیش کرتے اور مہینہ بھر بلکہ اس سے بھی زیادہ تک مناظرہ جاری رہتا اور جب کسی رائے کے دلائل پوری طرح واضح ہو جاتے تو پھر امام ابو یوسف اس کو لکھ لیتے۔ (موفق ۱/۳۳، کروری ۱/۵۰) اور دیگر ائمہ کے برخلاف امام ابوحنیفہؒ نے انفرادی کوشش اور تنہا استبدادی رائے کی جگہ اپنے مذہب کو مشورے پر منحصر کر دیا تھا۔ (حوالہ ایضاً)

ایک مرتبہ کسی نے ان سے ایک خاص مسئلے کے متعلق پوچھا کہ صحابۂ کرام تک اس کے

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ: تمام لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے پروردہ ہیں

متعلق ایک رائے پر متفق نہیں ہو سکے تھے، آپ کیسے قطعی رائے ظاہر کرتے ہیں؟ ابوحنیفہ نے کہا کیا یہ خیال کرتے ہو کہ میں نے یونہی رائے قائم کر لی ہے؟ میں نے خاص اس مسئلے پر پورے بیس سال غور وفکر کیا، اس کی مماثل چیزیں ڈھونڈیں، اور ہر صحابی کے قول کی اصول مسلمہ پر جانچ کی۔

(کروری ۱۵۰/۱ تا ۱۵۱)

ایک دفعہ انہوں نے قیاس کا اصول یوں بیان کیا تھا کہ قیاس ہر چیز میں نہیں چلتا، قیاس صرف ان چیزوں میں چلتا ہے جن کا رائے سے ادراک ہوسکتا ہو، قیاس کسی طرح ارکانِ دین کے ثابت کرنے اور اسباب وعلل میں نہیں چلتا، بلکہ صرف احکام کے ثبوت کے لئے چلتا ہے۔

(کروری ۱۴۵/۱)

اس طرح باب بباب تدوین ہوتی گئی اور انہوں نے سب سے پہلے وضو اور طہارت کا باب رکھا، کیونکہ ایمان کے بعد اسی کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے۔ (کروری ۵۳/۱)

کہتے ہیں کہ ان مباحث میں تقریباً پانچ لاکھ مسئلے مرتب ہوئے، جن میں سے اڑتیس ہزار کا تعلق عبادات سے اور باقی کا معاملات سے تھا۔ ان میں بعض:

مشتملة علی دقائق النحو والحساب ما یتعب فی استخراجها

اهل العلم باعربیة و اهل العلم بالجبر و مقابله......

صرف ونحو اور ریاضی کے ایسے دقیق مسائل پر مشتمل تھے کہ ان کا استخراج زبان دانوں اور ریاضی دانوں کے چھکے چھڑا دیتا ہے۔

اس باب وار تدوین اور کتاب وار ترتیب میں طہارت کے بعد نماز پھر روزہ، پھر یکے بعد دیگرے تمام عبادات کا ذکر کیا، عبادات کے بعد معاملات کے ابواب رکھے اور سب سے آخر میں ترکہ ومیراث کا ذکر کیا، طہارت ونماز کا ذکر مقدم اس لئے کیا کہ وہ سب سے اہم اور سب سے عام عبادت ہے، اور معاملات کی کوئی پابندی نہیں ہوتی اور ہر شخص بریٔ الذمہ ہوتا ہے۔ (جب تک کہ اس کا خصوصی ثبوت نہ ملے) اور وصیت اور میراث کو سب سے آخر میں رکھا، کیوں کہ وہ انسانی احوال میں سب سے آخری چیز ہیں۔ (موفق ۱۶۴/۱)

کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کتاب الفرائض اور کتاب الشروط وضع کیں، ان سے پہلے اس پر مستقل بحث کسی نے نہ کی تھی۔ (موفق ۳۵/۱)

☆ قال الامام الشافعی رحمه الله تعالی : امن الناس علیّ فی الفقه محمد بن حسن ☆

قانون بین الممالک کو بھی انہوں نے ایک مستقل چیز قرار دیا اور کتاب السیر مرتب کی، جس میں قوانین جنگ دامن سے بحث تھی اور اس کو تاریخ سے الگ کر کے فقہی چیز قرار دیا ہے، اس پر ہم عصر بحثیں خوب چھڑیں اور امام اوزاعی نے اس کی تردید لکھی، ابو یوسف نے اس کا جواب لکھا (اور یہ آخری رِسَالَۃُ الرَّدِ عَلٰی سیر الاوزاعی کے نام سے اب حیدر آباد میں چھپ چکا ہے) محمد شیبانی نے بھی سیر صغیر لکھی اور پھر سیر کبیر جو اتنی بڑی تھی کہ ایک گاڑی میں ڈال کر لے جائی گئی۔ تا کہ ہارون رشید کو تحفہ دی جائے (مقدمۂ ناشر الرد علیٰ سیر الاوزاعی لابی یوسف نیز شرح السیر الکبیر للشیبانی، ص ۱ میں سرخسی شارح کی تمہید)

ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مجلس چہگانہ کے علاوہ ایک مختصر تر دس آدمیوں کی ایک کمیٹی بھی تھی، محمد بن وہب جو پہلے اہل حدیث سے تھے بعد میں ابو حنیفہؒ کے معتقد ہو گئے وہ اس کمیٹی کے رکن تھے اور ''ان دس آدمیوں ہی نے فقہی ابواب مدون کئے تھے۔'' (کروری ۲/۱۸۵)

صیمری نے ایک خاص الخاص مجلس چہارگانہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے کہ:

''ابو حنیفہ کے حلقے میں ہمیشہ رہنے والے دس تھے۔ لیکن جس طرح لوگ قرآن کے حافظ ہوتے ہیں اس طرح فقہ کے حافظ ان میں چار ہی تھے:۔ زفرؒ، یعقوب، اسد بن عمرو اور علی بن مسہرؒ''۔ (صیمری ورق ۵۴ الف)

حضرت عبداللہ بن مبارک مستقل طور سے کوفے میں نہیں رہ سکتے تھے ان کا بیان ہے کہ میں ابو حنیفہؒ کی ایک ہی کتاب کو کئی بار تحریر کرتا تھا۔ کیونکہ اس میں اضافے ہوتے رہتے تھے، جن کو میں لکھ لیا کرتا تھا۔ ان کی زفر سے بڑی دوستی تھی، اور کوفہ آ کر انہی سے ابو حنیفہ کی کتابیں مستعار لیتے، اور نقل کر لیتے تھے۔ (موفق ۲/۶۸ صیمری ورق نمبر ۱۰۳ ب)

ابو حنیفہؒ کی فقہی کتابوں کا مطلب اصل میں ان لکچروں کی یادداشتیں ہیں جو مختلف ابواب فقہ پر ہوتے تھے اور جو ان کے شاگرد مرتب کرتے رہتے تھے۔ محمد شیبانی کے متعلق جو بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ستائیس ہزار مسائل قیاسی طور سے مدون کئے تھے (کروری ۲/۱۵۹) اس میں بہت کچھ استاد کے لکچروں سے بھی ماخوذ ہوگا، امام مالک کا بیان ہے کہ ابو حنیفہؒ نے ساٹھ ہزار مسائل سے رائے ظاہر کی تھی (موفق ۱/۹۶) بعض لوگوں نے اس تعداد کو پانچ لاکھ تک پہنچا دیا ہے۔

(موفق ۲/۴)

امام محمد بن ادریس شافعی فرماتے ہیں : فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان امام محمد بن حسن کا ہے